

روانا عبدالرحمان صاحب کیسے

# بنک کا سود

سود ایک ایسا لگانہ ہے جس کی حرمت سے کوئی مسلمان انکار نہیں کر سکتا۔ قرآن کریم کا واضح ارشاد ہے۔

لے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور لگایمان کہتے  
ہو تو جو سود باقی رہ گیا ہے اس کو چھوڑ دو اور ایسا ذکر  
کے۔ تو اللہ اور اس کے رسول سے جنگ کیلئے  
تیار ہو جاؤ۔ (پارہ ۳۔ آیت ۷۹، ۸۰)

اللہ اور اس کے رسول سے جنگ؟ مطلب واضح ہے کہ جو سود خوار ہے وہ مسلمان نہیں اور جو مسلمان ہے وہ سود خوار نہیں ہو سکتا۔ اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:

حضرت ابوہریرہ رضی سے روایت ہے کہ  
رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سو کے اکثر  
حصے کیے جائیں تو اس کا کمزور حصہ بھی (لگانہ میں)  
اپنی مال سے زنا کے برابر ہے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الرَّبْوَا سَبْعُونَ جُرْئًا أَسِيرَهَا أَنْ يَنْتَكِمَ الرَّجُلُ أُمَّةً۔ (ابن ماجہ بیہقی)

پھر اس کی حرمت اور لگانہ کی شدت کا اندازہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ارشاد مبارک سے بھی لگا بیجئے:

حضرت جابر رضی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سود لینے والے دینے والے اس کی دستاویز لکھنے والے اور اس کے گواہوں پر لعنت فرمائی اور فرمایا یہ کہ سب لوگ (لگانہ میں) برابر کے شریک ہیں

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: لَقِنَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَرَاكِلَ الرَّبْوَا وَمُؤَكَّلَةَ كَاتِبَتِهَا وَشَاهِدِيهَا وَقَالَ مُسْلِمٌ فِيهِ سَوَاءٌ۔ (مسلم)

پھر یہ تصریح بھی فرمادی کہ جس معاملے میں سود کا شائبہ تک بھی موجود ہو اسے چھوڑ دیا جائے۔ ایسے شدید احکام کے بعد ایک مسلمان کے لیے اس کے سوا کوئی چارہ نہیں کہ وہ سود اور اس کی تمام مشتبہ شکلوں سے

پر پینز کرے۔

بنک انٹرسٹ اور کمرشل انٹرسٹ | ”زبان“ ہے ”سود و زیان“ نفع و نقصان کے مفہوم سود فارسی زبان کا لفظ ہے اور اس کی ضد فارسی میں میں استعمال ہوتا ہے۔ یعنی سود بمعنی فائدہ یا نفع ہے۔ اور یہ لفظ اردو میں بھی مستعمل ہے۔ عربی میں اس کے لیے ربوا اور انگریزی میں انٹرسٹ (INTEREST) کے الفاظ استعمال ہوتے ہیں۔ کمرشل انٹرسٹ بمعنی تجارتی سود ہے مثلاً زید، بکر سے دس ہزار روپے لے کر کاروبار کرتا ہے۔ اور اس کے عوض وہ اسے مقررہ شرح سے نفع دینا طے کرتا ہے۔ تو یہ تجارتی سود یا کمرشل انٹرسٹ ہے۔ اور اگر یہی کام کسی فرد یا ادارہ کے بجائے بنک کرتا ہے۔ تو بنک انٹرسٹ کہلاتا ہے اسے کمرشل انٹرسٹ بھی کہتے ہیں۔

گو ہم نے اوپر نہایت اختصار سے سود کی حرمت کے متعلق صرف ایک آیت اور حضور اکرمؐ کے ایک ارشاد مبارک درج کیے ہیں۔ تاہم یہ سود کی حرمت ثابت کرنے کے لیے بہت ہیں۔ اور نیز یہ ثابت کرنے کے لیے بھی کافی ہیں کہ ان میں ربوا کا لفظ غلی الاطلاق استعمال ہوا ہے جس سے سود کی کوئی بھی قسم مستثنیٰ قرار نہیں دی جاسکتی۔ لیکن اتنے واضح اور سخت احکام کے باوجود مسلمانوں میں سے ایک طبقہ تجارتی سود کی اباحت کے لیے کئی طرح کے حیلے بہانے تلاش کر کے دلائل پیش کر رہا ہے۔ آج ہم انہیں دلائل کا جائزہ لینا چاہتے ہیں۔

کہا یہ جاتا ہے کہ ”ربا“ ایسے سود کا نام ہے جو کوئی مقروض اپنی بھوک اور احتیاج دور کرنے کی غرض سے کسی مہاجن یا ساہوکار سے قرض لیتا ہے اور سود خواہ اس کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھا کر بھاری شرح سود پر معاملہ کر کے اس پر ظلم کا مرتکب ہوتا ہے۔ ایسے ہی شخص احتیاج کے قرض پر سود کو ”ربا“ کہا جاتا تھا۔ جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔ رہا تجارتی سود تو عہد نبویؐ میں ایسے تجارتی قرضوں کا رواج ہی نہ تھا۔ عرب میں طوائف الملوک، لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کی وارداتیں عام ہوتی تھیں، و مسائل سفر انتہائی محدود تھے۔ لہذا تجارت بھی برائے نام ہوتی تھی۔ اور جب تجارت ہی برائے نام ہو تو تجارتی قرضوں اور تجارتی سود کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ نہ ہی اس کا وجود ثابت ہوتا ہے۔ اندر میں حالات دورِ حاضر کا بنک کا سود اس ربا کی تعریف میں کیوں کر آسکتا ہے۔ جسے قرآن کریم نے حرام قرار دیا ہے۔

مہاجن سود اور بنک کے سود میں امتیازی فرق کے لیے عموماً درج ذیل نکات پیش کیے جاتے ہیں

یا بالفاظ دیگر اس کی اباحت کے لیے درج ذیل دلائل پیش کیے جاتے ہیں۔

۱- ہباجنی قرض میں مفروض خود ہباجن کے پاس جا کر قرض کی درخواست کرتا ہے جبکہ بینک انٹرسٹ کی صورت میں قرض دینے والا خود بینک کے پاس جا کر اپنی رقم پیش کرتا ہے۔ کہ اسے کاروبار میں لگائے اور منافع میں سے اسے بھی "کچھ" دے دے۔ بینک اس قرض دہندہ کو ایک سٹیپ سے ملے شدہ شرح سود ادا کرتا ہے۔

۲- صنعت کار رہتا ہے جو بینک سے قرض حاصل کرنا چاہتا ہے۔ وہ بسا اوقات بینک کو خود شرح سود کی پیشکش کرتا ہے۔ بینک کے اس لین دین میں کسی فریق کی مجموعی کاسوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سب کام باہمی رضامندی سے طے پاتے ہیں۔

۳- ہباجنی قرض میں شرح سود اتنی بلند ہوتی ہے کہ ایک مزدورت مزدفلس اس کا متحمل نہیں ہو سکتا۔ جبکہ تجارتی سود پر تجارت میں نقصان کے احتمال کو سامنے رکھ کر مناسب شرح سود مقرر کی جاتی ہے۔ جو نقصان کی صورت میں بھی قابل برداشت ہوتی ہے۔ لہذا بینک انٹرسٹ میں مفروض پر کچھ ظلم نہیں ہوتا۔

۴- ہباجنی قرض کی صورت میں ہباجن کو بعض دفعہ سود تو بجائے خود رہا، اصل بھی وصول نہیں ہوتا۔ جبکہ بینک انٹرسٹ میں بینک اپنے مفادات کا پورا تحفظ کر لیتا ہے۔ بینک زیورات، جنس، غام مال، دیگراشیاء بطور زر کمین رکھ کر اس کا ساتھ فیصد تک قرض دیتا ہے۔ اس طرح بینک بھی نقصان سے محفوظ رہتا اور ظلم سے بچ جاتا ہے۔ رہے نادار لوگ تو بینک انہیں قرض دینے سے یکسر انکار کر دیتا ہے۔

۵- ہباجنی قرض میں نقصان کا پہلو نفع کی نسبت فی الواقع زیادہ ہے۔ کیونکہ اس میں ایک نادار پر ظلم ہوتا ہے۔ جبکہ بینک انٹرسٹ کی صورت میں فریقین سے ہر ایک کے لیے فائدہ تو یقینی ہے اور نقصان کا احتمال بہت کم رہ جاتا ہے۔ لہذا قرآن کریم کے اس اصول **وَالْمُتَمَلِّئُونَ مِنْ نَفْعِهِمْ**۔ (شراب اور جوئے سے متعلق) کے مطابق بھی بینک انٹرسٹ کو اس "ربا" سے مستثنیٰ قرار دیا جانا چاہیے جسے حرام قرار دیا گیا ہے۔

ادراں استثناء کی ضرورت یا اضطرار یہ بیان کیا جاتا ہے کہ موجودہ دور میں تمام تر ملکی و غیر ملکی تجارت کا انحصار بینک کے سود پر ہے۔ لہذا عصر حاضر کا تقاضا یہ ہے کہ مندرجہ بالا وجوہات کے پیش نظر ربا کی تعریف میں اجتہاد کے مناسب ترمیم کی جانی چاہیے تاکہ اسلام ہر زمانے کے تقاضوں کا ساتھ دینے

والانظام ثابت ہو سکے۔

یہ ہیں وہ دلائل جن کے پیش نظر ”ربا“ کی تعریف میں مناسب ترمیم اور اجتہاد کی سفارش کی جاتی ہے، اگر غور سے دیکھا جائے۔ تو مذکورہ بالا دلائل میں مندرجہ ذیل تنقیح طلب امر سامنے آتے ہیں۔

- ۱۔ کیا عہدِ نبوی میں عرب میں فی الواقع تجارت نہایت محدود تھی۔
- ۲۔ ان ایام میں تجارتی قرضوں یا تجارتی سود کا وجود ثابت ہوتا ہے یا نہیں؟
- ۳۔ کیا شرح سود کی کئی یا مناسب شرح حرمیتِ سود پر اثر انداز ہو سکتی ہے۔ کہ اسے اباحت کے قریب آئے؟
- ۴۔ کیا فریقین کی رضا مندی سود کو جائز بنا سکتی ہے؟
- ۵۔ کیا فی الواقع حرمیتِ سود کی علت ”ظلم“ ہی ہے؟ اگر فریقین میں کسی پر بھی ظلم کا احتمال نہ ہو تو سود کو جائز قرار دیا جاسکتا ہے؟
- ۶۔ عصرِ حاضر کے تقاضوں کے تحت سود کی تعریف میں اجتہاد کیا جاسکتا ہے۔ جبکہ اس کا نفع نقصان سے زیادہ ہے؟

اب ہم ان تیقحات کو علی الترتیب زیر بحث لائیں گے۔

عرب ایک آٹ گیاہ ملک ہے جس کا بہت ٹھوڑا رقبہ کاشت کے قابل ہے۔ اور جو کاشت کے قابل ہے اس پر ہی کم ہی توجہ دی جاتی تھی۔ کیونکہ شرفائے عرب زراعت کو کوئی مفز نہیں تصور نہیں کرتے تھے۔ اسی طرح ہاتھ سے کام کرنے یا دست کاری کے کام کو بھی باعثِ عار سمجھتے تھے۔ عرب میں عام لوگوں کا پیشہ تو بھیڑ بکریاں، گائے اور اونٹ پالنا تھا اور شرفائے عرب کا مورثہ خند تجارت ہی تھا۔ البتہ یمن میں اون کاتنے چادریں اور کبل بننے کا کام بھی ہوتا تھا۔ عربوں کو چونکہ فنونِ سپہ گری سے گہری دلچسپی تھی، لہذا کہیں کہیں آلاتِ جنگ بھی تیار کیے جاتے تھے۔

نتیجہً اہل عرب کو ایشیائے خورد و نوش اور دیگر ضروریات کا سامان باہر سے درآمد کرنا پڑتا تھا۔ بلاشبہ ان دنوں لوٹ مار اور ڈاکہ زنی کا دورہ دوڑھا اور کسی راستے کے مسافر کا جان و مال محفوظ نہ تھا۔ مگر یہ تجارت عموماً قافلوں کی شکل میں ہوا کرتی تھی۔ قریش مکہ کا تو پاسانِ حرم ہونے کی وجہ سے بھی احترام کیا جاتا تھا۔ دوسرے قافلے یا تو قریش مکہ کے اثر سے فائدہ اٹھاتے یا اپنی حفاظت کا

سامان خود سامنے کر چلتے تھے۔ غیر ملکی تانسلوں کو بچھاؤت گزارنے کے عوض ان سے ٹیکس بھی لیا جاتا تھا۔

وَالْيَلِيفِ قُرَيْشٍ اَلْفِهْمُ رِحْلَةَ الشِّتَاءِ  
وَالصَّيْفِ كَيْتَبُكَ فَاذْبُ هَذَا الْبَيْتِ الَّذِي  
اَطْعَمْتَهُمْ مِنْ جُورٍ وَاَمَنَهُمْ مِنْ خَوْفٍ -  
اس واسطے کہ مانوس رکھا قریش کو مانوس رکھنا ان  
کے سفر سے جاڑے میں اور گرمی میں۔ تو چاہیے کہ اس  
گھر کے رب کی بندگی کریں جس نے ان کو بھوک میں رکھا تھا کھلایا  
اور خوف سے ان کو بچھا۔  
(سورہ قریش ۱۰۶)

ہوتا یہ تھا کہ تمہیں ہر لمبے کے رنگ اپنا فروغی سامان اس تاملہ کے حوالے کر دیتے جسے وہ اپنے  
داموں بیچ کر ادھر سے سامان خرید لاتے تھے۔ اس طرح دوسری تجارت کے انیس دگنا منافع حاصل ہوتا جو بسا  
اوقات ۵۰ فیصد تک پہنچ جاتا تھا۔ اہل تملہ کی خوشحالی کا دار و مدار اس تاملہ کی کامیابی پر منحصر ہوتا تھا جسور  
اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی بشت سے پہلے مدینہ، بصرہ اور شام کے متعدد تجارتی سفر کئے تھے۔  
یہ تاملے کتنے بڑے ہوتے تھے؛ اس کا اندازہ اس بات سے لگا جاسکتا ہے کہ اہل بصرہ کا وہ  
تاملہ تجارت — جو جنگ بدر کا پیش خیمہ ثابت ہوا — دو ہزار بار برابر اونٹوں پر مشتمل تھا۔ کئی ٹونوں  
نے اندازہ لگا یا ہے کہ یہ درآمد برآمد کی کل تجارت ۵۰ لاکھ دینار سالانہ تک ہوتی تھی۔ دینار سونے کا ایک سکہ  
ہے جو ہر ۱۳ ماشہ کے برابر ہے۔ گویا تاملہ اندازہ کے مطابق بھی اگر دینار کی قیمت ۶۰۰ روپے تصور کر لی جائے تو گویا  
یہ تجارت ۲۰ ارب روپے سالانہ تک جا پہنچتی تھی۔

پھر یہ تجارتی تاملے صرف قریش تک ہی محدود نہ تھے۔ یعنی تاجر تملہ اور مدینہ کے راستے شام  
تک جاتے تھے۔ مدینہ کے یورپی — جو ایک سرمایہ دار قوم تھی۔ شام سے گندم اور شرب در آمد کرتے  
تھے۔ علاوہ ازیں غیر ملکی تاجروں کی آمد و رفت بھی رہتی تھی۔ ملک میں کئی جگہ بانا اور منڈیاں بیچیں؛ جہاں  
لوگ خرید و فروخت کے لیے جمع ہوتے تھے۔ سوداگروں کے تاملے ایران اور عراق سے تجارتی سامان لے کر  
آتے اور یہاں کی اشیاء اپنے ممالک میں لے جاتے۔ اس طرح یمن سے بجز سب کے درائے ہندوستان سے عراق  
کے راستے سے مشرقی ممالک اور شام و مصر کے راستے سے افریقہ سے تجارت ہوتی تھی۔ گویا عرب مشرق و

ملے زکوٰۃ کے لیے سونے کا نصاب ۲۰ دینار ہے، جسے علماء نے پوری تحقیق کے بعد لڑے تو لے سونا قرار دیا ہے  
اس لحاظ سے بھی ایک دینار کی قیمت ہر ۱۳ ماشہ سونے کے برابر ہے۔ اگر ۱۶۰ روپے سونے کا بھاء فرض  
کیا جائے تو دینار ۲۰ روپے کا بنتا ہے۔ حالانکہ سونے کی قیمت آج کل اس سے بھی زیادہ ہے۔

مغرب میں بن الاقوامی منڈی بن گیا تھا۔ جس میں شہر مکہ کو مرکزی حیثیت حاصل تھی۔

پھر احادیث میں تجارت کی جن اقسام کا ذکر ملتا ہے، اور جن میں سے بیشتر آج بھی رائج ہیں۔ ان سے بھی یہ پتہ چلتا ہے کہ ان ایام میں عرب میں تجارت کا کاروبار عروج پر تھا۔ اور تجارت کے سلسلہ میں جو ہلایا اور حکام مسلمان کر دیئے گئے ہیں وہ آج بھی مشعل راہ کا کام دیتے ہیں۔ اور تاریخ سے یہ بھی ثابت ہے کہ متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ہی وجہ سے اس دور میں بھی کچھ تہی بن گئے تھے۔

اندریں حالات یہ مفروضہ کہ عہد نبوی میں تجارت نہایت پُر خطر تھی لہذا برائے نام رہ گئی تھی۔ ایسا بے معنی مفروضہ ہے جس کی تاریخ سازی کرنا ہی قرآن کریم۔

۲۔ تجارتی قرضے اور تجارتی سود | اس بحث کو ہم تین حصوں میں تقسیم کریں گے :-  
۱۔ عہد نبوی میں اندرون عرب تجارتی قرضوں اور تجارتی سود کا وجود

۲۔ عہد نبوی میں ہمسایہ ممالک میں تجارتی قرضے اور سود

۳۔ آیا بارگاہ لفظ قرآن کریم یا لغوی اعتبار سے تجارتی سود کا بھی احاطہ کرتا ہے یا نہیں؟

عہد نبوی میں تجارتی قرضوں پر سود لینے کا رواج موجود تھا جس  
۱۔ عرب میں تجارتی سود | کا ذکر تفاسیر میں ملتا ہے۔ صاحب تفسیر فائز آیت ذذذ  
مَا بَقِيَ مِنَ الذَّلِيلِ الْوَاوَا (۲۸۳) کے تحت لکھتے ہیں۔

حضرت عباس بن عبدالمطلب اور خالد بن ولید نے زمانہ جاہلیت میں شراکت کی تھی اور سودی کاروبار کرتے تھے۔ وہ قبیلہ بنو تمیمہ (جو قبیلہ تھیف (طائف) سے تعلق رکھتا تھا) کے لوگوں کو کاروبار کے لیے سودی قرض دیتے تھے۔ جب یہ آیت نازل ہوئی تو ان کی بہت بڑی رقم واجب الوصول تھی جو انہوں نے چھوڑ دی۔ اور اس بات کا اعلان خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خطبہ حجۃ الوداع میں ان الفاظ میں فرمایا :-

”جاہلیت کے تمام سود بھی باطل کر دیئے گئے اور سب سے پہلے ان فائدان کا سود یعنی جس  
بن عبدالمطلب کا سود باطل کرتا ہوں۔ (بہت سی کتب احادیث)

یہ واضح رہے کہ آیت بالا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے صرف چار ماہ پیشتر نازل ہوئی تھی۔ مگر اس آیت کے نزول اور حجۃ الوداع کا زمانہ تقریباً ایک ہی تھا۔

جلیل القلم مفسر علامہ ابن جریر طبری (متوفی ۳۴۰ھ) اس آیت کی تفسیر میں یوں رقمطراز

یہ وہ سود تھا جس کے ساتھ جاہلیت میں لوگ خرید و فروخت کرتے تھے۔

مَّا كُنْ رِبَا يَنْتَبِئُونَ بِهِ نِي  
الْجَاهِلِيَّةِ -

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالکل قریب زمانے میں قبصرِ روم جسٹینین نے جس کی ذلت

۲۔ ہمسایہ ممالک میں تجارتی قرضے اور سود

حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش سے صرف پانچ سال قبل ہوئی تھی۔ تمام بازنطینی سلطنت میں زرے قانون زمینداروں اور کاشت کاروں کے قرضوں پر ہر فیصد تجارتی اور صنعتی قرضوں پر ۸ فیصد اور بحری تجارت کے قرضوں پر ۱۱ فیصد شرح سود مقرر کی تھی۔ یہ قانون جسٹینین کے بعد بھی ایک مدت تک بازنطینی سلطنت میں رائج رہا۔

روم کی سلطنت عرب کی ہمسایہ مملکت تھی۔ جس کا ذکر قرآن کریم میں بھی آیا ہے۔ یہاں تجارتی سود اپنی تمام شکلوں میں رائج تھا۔ اسی طرح دیگر ممالک میں بھی تجارتی سود کے خواہد مل جاتے ہیں جو بوجہ طوالت چھوڑ دیئے جاتے ہیں۔ یہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں کہ آس پاس کے ملکوں سے اہل عرب کے گہرے تجارتی روابط اور میل جول تھا۔ اندریں حالات یہ تصور کرنا ناممکن ہے کہ اہل عرب تجارتی سود سے ناواقف ہوں۔

اگر ہم بفرض محال تجارتی سود کے حامیوں کے خیال کے مطابق یہ فرض کر بھی لیں کہ اہل عرب اس دور میں تجارتی سود سے نا آشنا تھے۔ تو بھی اس سے سود کی اباحت کے متعلق کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی۔ ایک طرف تو ہم یہ دعوے کرتے ہیں کہ اسلام کے احکام ابدی اور تمام دنیا کے لیے ہیں۔ دوسری طرف ہم صرف عرب کے ایک مخصوص دور پر نظر رکھ کر سود کے احکام کو صرف اس دور اور اس علاقے تک محدود رکھنا چاہتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا دعوے اللہ تعالیٰ کو اتنا بھی علم نہ تھا کہ اگر عرب میں نہیں تو ہمسایہ ملک میں کس کس قسم کا سود رائج ہے یا آئندہ کیا کچھ ہونے والا ہے؟ کیا یہی علم و حکمت خداوندی ہے؟ سود کے یہ بلا اطلاق خدائی احکام اور حضرت اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا سود کی تمام شبہہ شکلوں سے پرہیز کرنا لازم قرار دینا کیا اس بات کی واضح دلیل نہیں کہ سود کی کوئی بھی

لے سود" از مولانا مودودی صاحب ص ۲۸ بحوالہ:-

(۱) (AS 200648 CIVILISATION) از ویل ڈرافٹ ص ۱۲۰، ۲۴

(۲) زوال و سقوط دولت روم از گین ص ۳ ص ۱۶۔

شکل کسی بھی دور میں حلال قرار نہیں دی جاسکتی؟

۳۔ تجارتی سود کی حرمت قرآن کریم سے

اسلام نے تجارتی اور شخصی قرضوں میں کوئی فرق کرنا نہیں رکھا۔ اگر ایسی بات ہوتی تو ضرور اس کی وضاحت کر دی جاتی۔ اس کی نگاہ میں اصل سے ایک مقررہ شرح کے مطابق جو کچھ بھی زائد لیا جائے اور جس طرح بھی لیا جائے وہ "ربا" ہی ہے۔ ربا کے لغوی معنی بھی اس مخصوص اضافے کے ہیں جو اصل سے زائد لیا جاتا ہے۔ اور شخصی اور تجارتی قرضوں میں فرق کرنا گویا:-

أَفْتَوْا مُنُونًا بِبَعْضِ الْكِتَابِ  
وَتَكْفُرًا وَلَنْ يَبْعُضَ (۲/۸۵)

کیا تم کتاب کے کچھ حصے پر تو ایمان لاتے ہو اور کچھ کا انکار کر دیتے ہو۔

کے مترادف ہے۔ ربا کو جہاں قرض سے مختص کرنا اور سود کا الگ الگ مفہوم مقرر کرنا موجودہ دور کا اختراع ہے جس کا مسلمانوں کی طویل تاریخ میں کیسے سراغ نہیں ملتا۔

تجارتی سود کے متعلق الگ احکام یا الگ لغت کی ضرورت اس لیے پیش آئی کہ اسلام تجارتی قرضوں اور سود کی الگ نوعیت کو تسلیم ہی نہیں کرتا۔ سود کے احکام ہر قسم قرضوں پر منطبق ہوتے ہیں۔ ان احکامات میں جہاں شخصی حاجات کے سود کی حرمت کا پتہ ملتا ہے وہاں تجارتی سود کی حرمت پر بھی واضح دلائل موجود ہیں۔ مثلاً

پہلی دلیل:- خدا تعالیٰ فرماتے ہیں:-

فَأَحَلَّ اللَّهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبَا  
حرام قرار دیا ہے۔ (۲/۲۷۵)

یہاں خرید و فروخت یا تجارت کے مقابلے میں لفظ "ربا" کا استعمال تجارتی سود کی طرف واضح اشارہ کرتا ہے۔ کیوں جہاں شخصی حاجات کے قرضوں کا ذکر مقصود تھا وہاں قرآن کریم نے ربا کے مقابلے میں حدیث کا لفظ استعمال فرمایا ہے۔

ارشاد باری ہے:-

يَمْحَقُ اللَّهُ الرِّبَا وَيُغْبِطُ الصَّالِحِينَ  
پرورش کرتا ہے۔ (۲/۲۷۶)

دوسری دلیل:- قرآن کریم کے اس ارشاد:-

وَأَنْ تَبِئْتُمْ فَلَكُمْ زُورٌ أَمْوَالِكُمْ  
پھر اگر تم زور کرو تو تمہارے لیے تمہارے اس مال میں

میں بھی تجارتی قرضوں کے متعلق واضح اشارہ ہے۔ کیونکہ اس المال جس کا معنی سرمایہ ہے، کا اطلاق عموماً تجارت پر لگائی ہوئی رقم کے لیے ہوتا ہے۔

تیسری دلیل: قرض کے لیے عربی لغت میں دو الفاظ ملتے ہیں۔ قرض اور قرض۔ قرض کا مفہوم عام فہم ہے اور عام طور پر شخصی قرضوں کے لیے آتا ہے۔  
ارشادِ نبوی ہے:-

إِذَا أَقْرَضَ الرَّجُلُ الرَّجُلَ فَلَا يَأْخُذُ  
هَذِيئَةً - (بخاری)

جب کوئی شخص کسی دوسرے آدمی کو قرض سے تو پھر اس سے ہدیہ قبول نہ کرے۔

جبکہ دین کا لفظ ہر قسم کے لین دین پر محیط ہے۔ اس کا صحیح ترجمہ ذمہ داری یا انگریزی میں LIABILITY  
دا دلیگی کی ذمہ داری ہوگا۔ جس میں کاروباری قرضے بھی شامل ہوتے ہیں۔  
ارشادِ باری ہے:-

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا تَدَايَنْتُمْ  
بِدَيْنٍ إِلَىٰ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَالْكُتْبَةُ (۳۸۲)

اے ایمان والو! جب تم آپس میں ایک مقررہ وقت کے لیے ادھار لگاؤ، لین دین کرو تو اسے کتبہ لیا کرو۔

اور ربکا کی تعریف "الزيادة في الدين" سے کی جاتی ہے نہ کہ "الزيادة في القرض" سے لہذا  
از روئے قرآن و لغت بھی تجارتی سود کو "ربا" سے خارج کرنے کی کوئی گنجائش نظر نہیں آتی۔

تجارتی سود کی حمایت میں یہ دلیل کہ اس کی شرح نقصان کے احتمال کو مد نظر  
۳۔ شرح سود میں کمی رکھ کر مناسب اور قابل برداشت مقرر کی جاتی ہے کئی لحاظ سے عمل نظر

ہے:-

اولاً یہ کہ آج تک مناسب اور معقول شرح سود کا تعین نہیں ہو سکا۔ کبھی تو یہ شرح  
۲۰ فیصد بھی نامناسب اور غیر معقول قرار دی جاتی ہے۔ جیسا کہ دوسری جنگ عظیم کے لگ بھگ زمانے  
ریزوبنک آف انڈیا ڈسکنٹ ریٹ مقرر ہوا اور یہی شرح دوران جنگ قائم رہی۔ پھر پونے تین فیصد  
پر حکومت ہند کو قرضے ملتے رہے۔ اور کبھی یہ شرح ۲۹ فیصد بھی مناسب اور معقول سمجھی جاتی ہے۔  
دائستہ ہارڈ اسٹیمٹ بنک ڈائری (وقت ۱۱) شرح سود کی مناسب تعین نہ ہو سکنے کی غالباً وجہ یہ  
ہے کہ اس کی نسبت مذہبی تزلزل اور کمزور ہے۔ مناسب اور معقول شرح سود کی تعین تو صرف اس  
صورت میں ہو سکتی ہے۔ جب یہ معلوم ہو سکے کہ قرض لینے والا اس قسم کتنا یقینی فائدہ حاصل کرے  
گا۔ اور اس میں سے قرض دینے والے کا معقول حصہ کیا ہونا چاہیے۔ مگر ہمارے پاس کوئی ایسا ذریعہ نہیں ہے

یہ معلوم ہو سکے کہ قرض لینے والے کو اس مقررہ مدت میں کتنا فائدہ ہوگا یا کچھ فائدہ ہوگا بھی یا نہیں؟ تو پھر معقول شرح سود کا تعین کیسے ممکن ہے۔ بلکہ اس سے بھی ذرا آگے بڑھیں اور شرح سود کے بجائے نفس سود اور اس کے جواز پر غور کریں کہ سود آخر کس چیز کا معاوضہ ہے۔ تو اس اہم مسئلہ پر معیشت دانوں کے جتنے اختلافات پائے جاتے ہیں۔ شاہد ہی علم معاشیات کے دوسرے مسئلے پر پائے جاتے ہوں۔

ثانیاً یہ کہ ایک ہی ملک اور ایک ہی وقت میں بنکوں کی شرح سود میں اتنی ہی تفاوت پایا جاتا ہے۔ مثلاً آج کل پاکستان کے سٹیٹ بینک کے عام بنکوں کو قرض دینے کی شرح ۱۰ فیصد مقرر کر رکھی ہے۔ اب عام بینک کاروباری حضرات کو ۱۶٪ شرح پر قرض دیتے ہیں۔ پھر حکومت خود عوام سے کاروبار کے لیے جو قرضے لیتی ہے تو یہ شرح دس سال کے قرض کے لیے ۱۶ فیصد ہے۔ اور رقم دس سال میں چارجنا ہو جاتی ہے۔ اب آپ خود اندازہ کیجئے کہ اگر یہ سب کچھ مناسب شرح ہے تو مناسب کیا ہو سکتی ہے؟ اور اگر ایسے قرض لے کر تجارت کی جائے جہاں نقصان کے احتمال بھی موجود ہیں۔ تو گرانے کی امید کا کیا عالم ہوگا۔

ثالثاً یہ بات قابل غور ہے۔ کہ اگر بالفرض شرح سود مناسب حد تک کم اور معقول ہو تو کیا حرمیت سود پر اثر انداز ہو بھی سکتی ہے یا نہیں؟ اور حقیقتاً یہی اصل بحث ہے۔ تو ہمارے خیال میں شرح سود ایک فیصد ہو یا ۵۰ فیصد شریعت کی نگاہ میں ایک ہی جیسا جرم ہے۔ شراب ایک قطرہ بھی ویسے ہی حرام ہے۔ جیسے ایک چھلکتا جام۔ کیونکہ شریعت کا یہ مسلہ اصول ہے کہ:۔  
حرام چیز کی تیسل ترین مقدار بھی ویسے ہی حرام ہے جیسے اس کی کثیر مقدار۔ لہذا شرح سود کی کمی یا معقولیت کی بنا پر سود کی اباحت کے لیے راستہ ہمارا کرنا بالکل بے معنی ہو کر رہ جاتا ہے۔"

۴۔ فریقین کی رضامندی

فریقین کی رضامندی کی شرط حلال چیزوں میں ہو کرتی ہے جیسے تجارت یا نکاح وغیرہ۔ حرام چیزوں اور معاہدات میں فریقین کی رضامندی کی شرط ہی سرے سے غلط اور باطل ہے۔ فریقین کی رضامندی زنا یا جوئے کو جائز نہیں بنا سکتی۔ حالانکہ یہ دونوں کام بھی لسا اوقات باہمی رضامندی ہی سے طے پاتے ہیں۔ پھر آخر سود جیسی حرام اور مکروہ چیز کو لوگوں کی مرضی یا فریقین کی رضامندی پر کیسے چھوڑا جا سکتا ہے؟ اسی طرح خواہ سود لینے والا شرح سود کی تعیین کرے یا سود دینے والا اس سے بھی نفس سود کی حرمیت

۴۔ سود اور سود کے چکر میں یا فیصد سالانہ اور بعض حالتوں میں اس سے بھی زیادہ بان جاتی ہے۔ یہ مناسب شرح سود ہے۔

میں کوئی فرق نہیں پڑ سکتا۔

یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ سود دینے والا کبھی سود دینے پر رضامند نہیں ہوا کرتا۔ اس کی رضامندی نہیں ہوتی بلکہ اضطراب ہوتا ہے اگر اسے کم شرح سود پر قرضہ دیا ہو سکے یا کہیں سے قرض حسنہ ملنے کی توقع ہو تو وہ کبھی یہ سودی قرض لینے پر تیار نہ ہوگا۔ سودی معاہدات میں رضامندی کا جتنا پہلو ہوتا ہے۔ اس کا اندازہ درج ذیل تاریخی واقعے سے بخوبی ہو سکے گا۔

دوسری جنگ عظیم کے کم بات ہے۔ کہ انگلستان نے امریکہ سے ایک بھاری قرض کا معاملہ کیا جو (BRITTONWOOD AGREEMENT) کے نام سے مشہور ہے۔ یہ معاہدہ مشہور ماہر معاشیات برطانیہ لارڈ کینز (KEENES) کی معرفت طے پایا تھا۔ انگلستان یہ چاہتا تھا کہ اس کا خوشحال دوست ملک امریکہ جو اس طوائفی میں اس کا رفیق تھا اسے بلا سود قرض دے دے۔ لیکن امریکہ سود چھوڑنے پر راضی نہ ہوا۔ انگلستان اپنی مشکلات کی وجہ سے مجبور ہو گیا کہ سود دینا قبول کرے۔ اس کا جو اثر انگریز قوم پر مرتب ہوا وہ بھی سن لیجئے :-

لارڈ کینز جنھوں نے انگلستان کی طرف سے یہ معاہدہ کیا تھا، جب اپنے مشن کو لوہا کر کے پلٹے تو انھوں نے برطانوی دارالامرا میں تقریر کرتے ہوئے کہا: "میں تمام طر اس رینج کو نہ سمجھوں گا جو مجھے اس بات سے ہوا کہ امریکہ نے ہم کو بلا سود قرض دینا گوارا نہ کیا۔"

مشرق پر حملے جیسے زبردست امریکہ پسند شخص نے کہا کہ "یہ بیٹے پن کا برتاؤ جو ہمارے ساتھ ہوا ہے۔ مجھے اس کی گہرائی میں بڑے خطرات نظر آتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہمارے باہمی تعلقات بہت ہی بُرا اثر پڑا ہے۔"

اس وقت کے وزیر خزانہ ڈاکٹر ڈالٹن نے کہا کہ یہ بھاری بوجھ جسے لاشے ہوئے ہم جنگ سے نکل رہے ہیں ہماری ان قربانیوں اور جفا کشیوں کا بڑا ہی عجیب صلہ ہے جو ہم نے مشترک مفاد کے لیے برداشت کی ہیں۔"

اب بینک کے سود کی طرف آئیے اور غور فرمائیے کہ جو لوگ بینک کے سودی قرضے حاصل کرتے ہیں تو کیا انہیں باہمی رضامندی کا نام بنا مناسب ہے، یا اضطرابی معاہدے کا اور ہمارا مشاہدہ یہ ہے کہ ایسے بیشتر معاہدے اسی اضطرابی نوعیت کے حامل ہوتے ہیں۔ رہے وہ لوگ جو بینک میں سود کے لالچ سے رو پیہ جمع کرتے ہیں۔ ان کی کیفیت اضطرابی نہ ہی وہ تو سود کے معاشی اور معاشرتی نقصانات کو آگے منتقل کر دیتے ہیں۔

یہ تو خیر ایک ضمنی سی بحث تھی کہ سودی معاملات میں صرف رضامندی کا نہیں بلکہ اضطراب کا پولو بھی شامل ہے۔ تاہم اس پہلو کو نظر انداز کر کے اگر فریقین کی رضامندی بھی تسلیم کر لیا جائے۔ تو بھی سود کی حرمت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں۔

تجارتی سود کی حمایت میں یہ دلیل بڑے شد و تد سے پیش کی جاتی ہے کہ یہ

۵۔ ربا اور ظلم معاہدات چرکہ نہایت مقبول شرح پر باہمی رضامندی سے طے پاتے ہیں۔ اور ان میں کسی فریق پر ظلم بھی نہیں ہوتا۔ لہذا قرآن کریم کے الفاظ **لَا تَظْلِمُونَ وَلَا تُظَلَمُونَ** کے مطابق یہ سود اس ربا میں کیسے آسکتا ہے۔ جس کی بنیاد ظلم پر ہوتی ہے۔ گویا حرمت سود کی علت ظلم سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ظلم سود کی حرمت کا بنیادی سبب نہیں ہے۔ آیت کے سیاق و سباق سے واضح ہے۔ کہ یہ الفاظ سودی معاملات اور معاہدات کو ختم کرنے کی ایک احسن صورت پیش کرتے ہیں۔ یعنی نہ تو مفروضہ قرض خواہ کی اصل قسم بھی دبا کر اس پر ظلم کرے اور قرض خواہ مفروضہ کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اصل کے علاوہ اس پر سود کا بوجھ لاد دے۔ ان الفاظ کا اطلاق ہمارے ہاں اس وقت ہوگا۔ جب ہم معاشرے سے سود کو ختم کریں گے۔

سود کی حرمت کا بنیادی سبب ظلم نہیں۔ بلکہ بیٹھے بٹھائے اپنے مال میں اضافہ کی وہ ہر قسم جس سے ایک سرمایہ دار اپنی فاضل دولت میں طے شدہ منافع کی ضمانت کے یقینی اضافہ چاہتا ہے۔ اور جس زر پرستی، تنگ دلی اور ثقافت جیسے اخلاق رذیلہ جنم لیتے ہیں۔ سود کے متعلق سب سے پہلی آیت جو کئی دور میں نازل ہوئی اس میں اس کے بنیادی سبب کی پوری وضاحت ملتی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے :-

وَمَا آتَيْتُم مِّن رِّبَا يَزِيدُ فِي آفْوَالِ

النَّاسِ فَلَا يَزِيدُ فِيكُمْ اللَّهُ - (۳۰ - ۲۹)

اور جو رقم تم سود پر دیتے ہو تاکہ وہ لوگوں کے مال سے بڑھے قرۃ مال اللہ کے ہاں نہیں بڑھتا۔ سرمایہ دار جب اپنی فاضل قسم سود کی راہ میں ڈال دیتا ہے۔ تو وہ رقم لوگوں کے گھروں میں جنم پنچ کر ان کی دولت بھی سرمایہ دار کے ہاں پہنچا دیتی ہے سرمایہ دار اور سہا ہوگا کہ پہلے سے زیادہ سرمایہ دار بن جاتے ہیں۔ اور ناما دار اور ضرورت مند لوگ غریب سے غریب تر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ اس طرح دولت کی تقسیم کا نامواری بڑھ جاتی ہے۔ جو طبقاتی تقسیم معاشرہ کے بگاڑ کا سبب بنتی ہے۔ مندرجہ بالا آیت میں یہ اشارہ بھی ملتا ہے کہ یہ چیز بالآخر معاشرے میں بگاڑ اور تباہی کا سبب بنتی ہے۔

اب ہم اس معاملہ کا دوسرا پہلو لیتے ہیں اور بفرض محال یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ حرمت سود کا بنیادی سبب ظلم ہی ہے جیسا کہ ہمارے دوست کہتے ہیں کہ تجارتی سود میں کسی پر ظلم نہیں ہوتا۔ لیکن اصل مظلوم تو معاشروہ ہے جو تجارتی قرضوں سے پیدا ہونے والی گرانہ کی چچی میں پستا رہتا ہے۔ معاشکے میں اس ظلم کی ذمہ داری کس پر ہوگی۔ قرض خواہ پر یا مقرض پر؟

۶۔ ربا میں نفع و نقصان کا تقابل | ایسے شرعی احکام ہیں، جو نقص قطعی سے ثابت ہوں، نفع انقصان کا تقابل کرنا ایک مسلمان کا شیوہ نہیں۔ انسانی

عقل کسی چیز کے نفع و نقصان کا مکمل احاطہ نہیں کر سکتی۔ انسانی عقل کا یہ عالم ہے کہ وہ اپنی اپنے ذاتی مفاد کا بھی پوری طرح اندازہ نہیں لگا سکتی۔ درائشکے احکام بیان کرتے ہوئے خدا تعالیٰ فرماتے ہیں :-

آبَاؤُكُمْ وَأَبْنَاؤُكُمْ وَلَا تَلْوُا عُنُقَكُمْ  
أَقْرَبُ لَكُمْ نَفْعًا (پ)

تمہارے باپ ہوں یا بیٹے، تمہیں خبر نہیں کہ ان سے نفع کے لحاظ سے تمہارے قریب تر ہے۔

آپ ایک شرابی سے شراب کے نفع و نقصان کے متعلق پوچھتے تو وہ اس کے فوائد ہی بتلا گا۔ شاید ہی کسی ایک آدمی نقصان کی طرف اشارہ کرے۔

ایک سینما کے رسکیا سینما بینی کے متعلق پوچھ دیکھتے تو شاید وہ اس کے نقصانات تک کا ذکر بھی گوارا نہ کرے۔ اسی طرح سود خوار یا سود کے حامی سود کے فوائد تو بہت بتلا سکتے ہیں۔ لیکن نقصانات کی طرف ان کا خیال تک بھی نہیں جاتا۔ تو کیا کسی کو یہ حق دیا جا سکتا ہے کہ اگر کسی چیز میں نقصان سے فائدہ زیادہ ثابت کر سکے تو وہ شرعی احکام میں اجتہاد و ترمیم کی سفارش کرے۔

شراب اور جوئے سے متعلق قرآن کریم میں جو نفع و نقصان کا تقابل کیا گیا ہے۔ وہ اللہ تعالیٰ نے خود کیا ہے۔ جو فریق نہیں بلکہ اس کی نظر سب نوع انسانی پر یکساں ہے اسے شرابیوں اور جباریوں کے فیصلے پر نہیں چھوڑا۔ پھر سود کے حامیوں کو اس تقابل کا حق کیوں کر دیا جا سکتا ہے؟

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ شراب کی قلت حرمت نشہ ہے، لیکن اس کے باوجود فقہاء نے ہر نشہ اور چیز کو حرام قرار نہیں دیا۔ بلکہ صرف ان نشہ اور چیزوں کو حرام قرار دیا ہے جن کا ضرر واقعی نفع سے زیادہ ہو اور اس بات کے مطلوب یہ چیز ہے کہ سود کی کوئی نرم سی شکل (جیسے بنک سود)



کہ حضرت عمرؓ کے گیارہ سالہ تحقیق اور حالات کے تقاضوں کو مدنظر رکھ کر سود کے متعلق جو فتویٰ صادر فرمایا تھا۔ وہ ان دوستوں کے لیے کیوں قابل قبول نہیں ہے۔ آپ نے فرمایا تھا۔

ان ایسۃ التریلو من احرک ما افسزل  
 من القرآن وان النسبى صلی اللہ علیہ  
 و سلم فیض ان یمیکتہ لنا فدروا  
 التریلو والتریبۃ۔

آیت ربا قرآن کی ان آیات سے جو آخر زمانہ میں نازل ہوئیں اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہو گیا پیشتر اس کے کہ تمام احکام ہم پر درائع فرماتے لہذا تم لوگ سود کو بھی اور ہر اس چیز کو بھی چھوڑ دو جس میں سود کا شائبہ ہو۔

غور فرمائیے اگر تجارتی سود میں کچھ بھی اجتہاد کی گنجائش ہوتی تو حضرت عمرؓ ضرور ایسا کرتے۔ تجارتی سود کی نظیر میں عرب اور ہمسایہ ممالک میں سب جگہ اپنی ارتقا کی شکل میں موجود یعنی۔ تجارتی سود کے نفع و نقصان کے تمام پہلو بھی سامنے آپ کے تھے سود کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حتماً اڑنا کے دن عملاً کالعدم قرار دیا۔ اس کے بعد آپ چار ماہ اس دنیا میں تشریف فرما رہے۔ اس دوران حضرت عمرؓ نے آپ کے رویہ میں سود کے بارے میں کوئی لچک نہیں دیکھی۔ بنا بریں آپ نے اجتہاد کرنے کے بجائے دوسروں کو بھی ایسا اجتہاد کرنے سے روک دیا اور فتویٰ صادر فرمادیا۔ کہ سود اور اس کی تمام تر مشتبہ شکلوں کو بھی چھوڑ دیا جائے۔ اور جو علاقے بھی آپ نفع کرتے رہے وہاں سے سودی نظام کو بکھر ختم کر کے اس کی جگہ نظام زکوٰۃ اور بیت المال کی داغ بیل ڈال دی۔

## ضروری تصحیح

گذشتہ شمارہ میں جناب طالب ہاشمی صاحب کا مضمون بعنوان "عہد رسالت کی تیرہ ٹرمیناٹ" میں تیسرے نمبر پر مذکورہ صحابہ کا نام غلطی سے حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا کی بجائے حضرت حبشہ لکھا گیا ہے۔ تاریخین سے التماس ہے کہ جہاں سے حضرت حبشہ لکھا ہوا ہے وہاں حضرت حبیبہ رضی اللہ عنہا لکھوائے۔